صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی ۔

بنیاد پرستی ۰۰۰۰۰ اعزاز یا الزام؟

(۲)

یہ ہماری فکری و تہذیبی کمزوری ہی تو ہے کہ ہم اپنے بچے کو گھٹی ڈالنے کے عمل سے لے کر شادی بیاہ تک، اپنے آغازِ سیاست سے مسندِ اقتدار تک اور الف با سے لے کر تعلیم کی آخری ڈگری تک، دوسروں کے رواج اور معیار کے مطابق ڈھلتے نظر آتے ہیں کبھی ہم اپنے اوپر اپنا رنگ بھی تو چڑھائیں جس سے ہم سے بہت دور کھڑا ہوا شخص بھی ہمیں پہچان کر پکار اٹھے کہ یہ مسلمان ہے، ہمارا کردار، ہمارا معیار، ہمارے انداز، ہمارے اطوار اور ہمارا چہرہ بشرہ خود ہمارا پتہ اور "شناختی کارڈ" بن جائے، قرآنِ مجید، صحابہ کرامؓ کے بارے میں ایک جگہ کہتا ہے "سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود" جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کا چہرہ اُن کے صحابی رسول ہونے کا پتہ دیتا تھا، اُس عہد میں جب کہ ہمارا اپنا معیارِ تہذیب مستحکم تھا کسی کو کسی مسلمان کے پہچاننے میں کبھی کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی۔

یہ باتیں بظاہر چھوٹی معلوم ہوں گی لیکن دیگ کا ایک چاول جس طرح پوری دیگ کا پتہ دیتا ہے اسی طرح یہ معمولی باتیں ہماری فکری سمت اور عملی روش کا پتہ دیتی ہیں کہ ہم سخت گرم علاقے کے باسی ہیں، مگر ہمارا طرزِ تعمیر یورپ جیسا بنتا جارہا ہے، جو کہ ٹھنڈا علاقہ ہے، اس بات کا دین یا اصولِ دین سے کوئی تعلق نہیں لیکن ہماری نقالی کی چغلی ضرور ہو رہی ہے کہ ہم اپنے علاقے کے تقاضوں اور اپنے موسم کے لوازم کو نظرانداز کر کے اپنے گھر اور دفتر بنا رہے ہیں؟ اس لیے کہ ہم نے یورپ میں اس طرح دیکھا ہے۔

جو شخص مالی طور پر ذرا خوشحال یا افسر ہو جائے گا تو شادی بیاہ، دفتر یا تقریب میں گرمیوں کے موسم میں بھی تھری پیس سوٹ پہنے گا کیوں؟ شائد وہ سمجھتا ہے کہ اس طرح میں انگریز لگوں گا اور لوگ مرعوب ہوں گے اسی طرح بے ہنگم موسیقی خواہ سمجھ آئے یا نہ، مغرب کی پیروی میں اپنے ہاں رائج کر رہے ہیں، کیوں؟ اسی لیے کہ فیشن کا تقاضا ہے۔

ہم اپنے ہاتھوں سے اپنا مشترکہ خاندانی نظام تباہ کر رہے ہیں جو ہزار مشکلوں کے باوجود لاکھوں برکتوں اور خوشیوں کا باعث ہے، گھر کا ہر فرد "پرائیویسی" کے چکر میں ہے، ہر ایک کا اپنا کمرہ، اپنے یار دوست، اپنے کھانے پینے کے اوقات، اپنا سونے اور جاگنے کا شیڈول، ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ ہم نے سن رکھا ہے کہ یورپ میں یہی

ماں کی اور بیٹا باپ کا پابند نہیں سو ہم ایسا کر رہے ہیں۔

اس بگٹٹ دوڑ کا یہ نتیجہ سامنے ہے کہ محراب و منبر سے لے کر صحافت اور سیاست تک مقصدیت، سنجیدگی وقار، تقویٰ، خوفِ آخرت اور احترام کے رویے ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے ہیں، بے یقینی اور اعتماد کا فقدان ظاہر ہے کچھ تو کرشمے دکھائے گا۔

اگر انسان ساری عمر صاف باہر ہی باہر دیکھتا رہے یا آگے آگے ہی دیکھتا رہے تو وہ کبھی اپنے باطن کے حسن سے آگاہ نہیں ہو سکتا اور اس طرح وہ اپنے دل آویز ماضی کے شاندار ورثے کی یادوں سے محروم ہو جاتا ہے، حسنِ باطن سے بے خبری اور یادِ ماضی سے محرومی اتنا معمولی نقصان نہیں کہ کوئی شخص کسی اندھے شوق کی خاطر خواہ مخواہ برداشت کرلے۔

بات ہو رہی تھی خود اعتمادی کی جس میں کمی آئی تو ہمیں اپنا "حُسن" قبح اور دوسروں کا "قبح" حسن نظر آنے لگا، سیرت کی کتابوں میں ایک واقعہ آتا ہے جو ہمارے لیے مفید مطلب ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہم بھی مسلمان ہیں اور کلمہ گو ہیں اور اسی طرح کا کلمہ توحید صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے بھی پڑھا تھا مگر دونوں میں نفسیات کا بے پناہ فرق ہے انہیں اپنی تہذیب اور اپنے آداب معاشرت پر ناز تھا اور ہمیں دوسروں کے آدب و اصول عزیز ہیں۔

ایک مرتبہ گورنر مدائن (عراق) حضرت سلمان فارسیؓ ایک دوسرے ملک کے وفد سے ملاقات کر رہے تھے اس دوران کھانے کا وقت ہوا تو زمین پر دستر خوان بچھایا گیا، دورانِ طعام حضرت سلمانؓ کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا چھوٹ کر زمین پر گر پڑا آپ نے اُسے زمین سے اٹھا کر جھاڑا اور دوبارہ منہ میں رکھ لیا، آپ کے ذاتی معاون قریب بیٹھے تھے انہوں نے سرگوشی کے انداز میں کہا "حضرت یہ لوگ مہذب ملک کے شہری ہیں اور پر تکلف تہذیب کے آدمی ہیں، آپ نے زمین پر گرا ہوا روٹی کا ٹکڑا اٹھا کر دوبارہ منہ میں رکھ لیا، یہ لوگ کیا سوچیں گے کہ مسلمانوں کو حکومت مل گئی ہے لیکن انہی نفاست نہیں آئی کہ مٹی میں تھڑا ہوا لقمہ تک دوبارہ کھا لیتے ہیں" آپ نے بڑے اعتماد سے جواب دیا کہ "کیا میں اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ان احمقوں کی وجہ سے ترک کر دوں؟ (أأترک سنۃ حبیبی لھولاء الحمقاء) یعنی یہ مسنون طریقہ ہے کہ اگر کوئی حلال اور طیب کھانے کی چیز زمین پر گر پڑے تو از راہِ تکبر اُسے وہاں نہ پڑا رہنے دیا جائے بلکہ صاف کر کے دوبارہ استعمال کیا جائے ورنہ نعمتِ خداوندی کی ناشکری کا الزام آ سکتا ہے۔

یہ ہے وہ اعتماد جو صدرِ اوّل کے مسلمانوں میں تھا۔ انہیں قیصر و کسریٰ کے درباروں میں وضع ہونے والے آداب و رسوم کے مقابلہ میں مسجدِ نبوی کے کچے فرش پر ترتیب پائے جانے والی سنتوں اور قائم ہونے والے طریقوں

سے زیادہ طبعی اُنس اور قلبی لگاؤ ہے، دوسروں کے پکے گھر دیکھ کر اپنا کچا گھروندا گرا دینا یا تو بدبختی ہوگی یا پھر بے عقلی!

یہ اور اس طرح کی مثالیں فرائض اور واجبات کا درجہ نہیں رکھتیں کہ انہیں من وعن دہرایا جائے بلکہ ان کے ذریعے میلانِ طبع اور رجحانِ خاطر ضرور متعین ہوتا ہے کہ ہمیں دنیا میں رہنا ہے تو پرائی جنت ہی کو ہر وقت طمع کی نظروں سے نہیں دیکھنا چاہیئے اپنے ہی زورِ بازو سے حاصل کی ہوئی نانِ شعیر پر مدارِ قوت حیدری ہوتی ہے اور یہی مردانِ کار کا شیوہ ہے، غنا مال سے نہیں نظر اور دل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

اگر ہمارے پسینے ایک اصطلاح سن کر چھوٹنے لگیں تو کب سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہو سکیں گے؟ اسی خود اعتمادی کے حوالے سے ایک بات حکیم الامت علامہ اقبال کے بارے میں تحریر کرنے کے قابل ہے کہ کسی تقریب میں ایف سی کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لوکس کی ملاقات حضرتِ علامہ سے ہوئی ڈاکٹر لوکس نے سوچا ہوگا کہ حضرتِ علامہ "روشن خیال" آدمی ہیں ان سے یہ پوچھ لیا کہ واقعی قرآنِ حکیم ان ہی الفاظ وحروف کے ساتھ پیغمبرِ اسلام پر نازل ہوا یا محض مفہوم وارد ہوا اور الفاظ پیغمبرِ اسلام کے اپنے ہیں۔ جس دور میں یہ بات پوچھی جا رہی تھی وہ عہد اسلام اور اہلِ اسلام کے لیے خاصا پُر آشوب اور فتنہ انگیز تھا، انگریز ہم پر مسلط اور حاکم تھے اور بڑے بڑے "عمائدینِ ملت مسلمہ" معذرت خواہی کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھے یعنی کہ ان کی اس کم تر بیونت سے اسلام بے چارہ نیم جان ہو رہا تھا، عقائد سے لے کر شش تک میں "گوری سرکار" کی مرضی کے مطابق ترمیم و تنسیخ کے تیشے چلائے جا رہے تھے اور اپنے اچھے خاصے تاریخی قد کاٹھ کو یورپ کے تنگ جامے میں فٹ کرنے کے لیے کاٹا چھانٹا جا رہا تھا، وحی، الہام، ملائکہ، جہاد، جزیہ، حجاب، سود جیسے مسائل کی نئی نئی دل خواہ بلکہ "انگریز خواہ" تعبیریں پیش کی جا رہی تھیں۔ المختصر اس ماحول میں حضرت علامہ کا جواب کس قدر اعتماد افروز، یقین افروز اور ایمان پرور تھا وہ ملاحظہ فرمایئے۔

"آپ نے کہا کہ میرا تمام مسلمانوں کی طرح ایمان ہے کہ قرآنِ حکیم انہی الفاظ وحروف کے ساتھ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، کیونکہ بارہا مجھ پر پورے کا پورا شعر الفاظ وحروف سمیت وارد ہوا ہے میں نے فقط اُسے اپنی بیاض میں نقل کر لیا، اگر مجھ جیسے شخص پر شعر الہام ہو سکتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر قرآن اس طرح نازل کیوں نہیں ہو سکتا؟ آج اگر کوئی ناپختہ اور خام خیال "دانشور" اسے حضرتِ علامہ کی خوش اعتقادی قرار دے تو اس کا اپنا قصورِ فہم ہے، اسی خود اعتمادی نے تو حضرت علامہ کو "حکیم الامت" کا منصب بخشا ہے ورنہ وہ ہمیشہ

پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ ، اور اسی طرح

؎ موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

کی تلقین کرتے رہتے ؛

اس تلقین میں یہی حکمت کارفرما ہے کہ خود اعتمادی کی کمی انسان میں بے یقینی پیدا کرتی ہے اور بقولِ اقبال

؎ غلامی سے بدتر ہے بے یقینی

اور یہی بے یقینی انسان کو ایک "لڑھکتا ہوا پتھر" بنا دیتی ہے جو بالآخر سر کے بل کسی اندھی کھائی میں جا کر گرتا اور پاش پاش ہو جاتا ہے۔

یہ تو تھا اس مسئلے کا ایک پہلو، جس کے ذریعے یہ واضح کیا گیا کہ کسی اعزازیہ یا الزام، کسی خیر اور شر اور کسی فائدے اور نقصان میں رد و قبول کا معیار کیا ہونا چاہیئے! یہی معیار ہی ہے جو قوموں کی اقدار تشکیل دیتا ہے اور انہیں اقدار کی بدولت قوموں کے گرنے یا سنبھلنے کے رویے ترتیب پاتے ہیں اگر ہر بات کو اس کا سیاق اور سباق جانے کے بغیر قبول یا رد کر دیا جائے تو پھر کوئی بات بن ہی نہیں سکتی۔

آج امریکہ اگر ہمیں "بنیاد پرست" کہتا ہے اور ہم فوراً کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ توبہ کرتے ہیں کہ نہیں ہم بنیاد پرست نہیں ہیں یعنی آپ کے مفہوم کے مطابق "تاریک خیال، جنگجو، قدامت پسند اور روایت پرست" نہیں ہیں تو اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ کل کو امریکہ ہمیں "کلمہ گو" کہہ کر چھیڑنا شروع کر دے اور اسی کا مفہوم یہ بتائے کہ "کلمہ گو" کا مطلب وہم پرست، اگاڈونی اور بزدل ہے جو ہر وقت اللہ سے ڈرتا رہتا ہے۔ دکھ تکلیف میں نمازیں پڑھتا ہے، آخرت میں ثواب و عذاب کو مانتا ہے تو کیا ہم فوراً وضاحتوں پر اتر آئیں اور اپنی صفائی دینا شروع کر دیں کہ نہیں ہم "کلمہ گو" نہیں ہیں، ہم تو سیدھے سادے مسلمان ہیں اور "کلمہ گو" کا جو مفہوم امریکہ متعین کر دے ہم اُسے "الہامِ ربانی" سمجھ کر اس پر ایمان لے آئیں، ظاہر ہے یہ سلسلہ پھر کہیں رکتا نظر نہیں آتا تو کیوں نہ "گربہ کشتن روزِ اول بہ" کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے علی الاعلان کہہ دیں کہ ہم بنیاد پرست ہیں، ایک کچی کوٹھڑی بنیاد کے بغیر کھڑی نہیں ہو سکتی تو ایک اُمت ایک قوم اور ایک ملت بغیر بنیاد کے کیوں کر اقوامِ عالم کی صف میں اپنا وجود برقرار رکھ سکتی ہے ۔؟

رہا بنیاد پرست کا وہ مفہوم جو امریکہ سمجھتا اور ہم پر چسپاں کرتا ہے تو وہ اس کے منہ پر مارنا چاہیئے کہ تاریک خیال، جنگجو اور توہم پرست ہم نہیں تم ہو، ذرا اپنی تاریخ کے اوراق کھول کر دیکھو جب اسلام کا نور اور قرآن کا پیغام دنیا کو منور اور انقلاب آشنا کر رہا تھا یورپ اندھے غاروں پر پڑا ہوا تھا، معمولی نظافت تک کا یورپ کو علم نہیں تھا، تہذیب تو دور کی بات ہے، صلیبی جنگیں ہمارا نہیں تمہارا ورثہ ہے، ہمارا سفر

ارقم سے شروع ہو کر فتح مکہ پر منتج ہوا اس دوران نہایت معمولی خون بہا، اتنا کہ جس قدر عام انسانی دنیا میں مول کے مطابق قتل ہوتے ہیں، اور تم ہو ہمیں جنگجو کہنے والے، جب کہ ہیروشیما اور ناگاساکی کی آب و ہوا تمھارے شیانہ حملوں اور انسانی قتلِ عام کی بُو سے اب تک مسموم اور روزِ محشر تک آلودہ رہے گی، ہم مسلمان آج بھی ن وسنت کی روشنی میں حق اور باطل کا واضح عقیدہ رکھتے ہیں اور ہمارے نزدیک حق اور باطل اضافی صیغے یں بلکہ دائمی اصطلاحات ہیں دونوں واضح اور طے شدہ ہیں، دونوں میں حد فاصل ازل سے ابد تک قائم رہے لیکن تمھارے نزدیک حق صرف طاقت کا نام ہے اور باطل کا مفہوم حالات کے تحت آئے روز بدلتا رہتا ہے لحاظ سے تاریک خیال تم ہو یا ہم ہیں؟

گزشتہ نصف صدی کی تاریخ ہی اُٹھا کر دیکھ لی جائے اور آزادی کی تحریکوں میں ہونے والی خونریزی اب کھول لیا جائے تو پتہ چل جائے گا کہ مسلمان خونخوار ہیں یا یورپ اور امریکہ کے منہ کو خون کی چاٹ لگی ہوئی ، لیبیا میں سنوسی کی تحریک ہو یا الجزائر کی خون آشام جدوجہد، مسئلہ کشمیر ہو یا جلیانوالہ باغ، ویتنام کا معرکہ یا افغانستان کی جنگ، اور عراق پر خون بار حملہ یہ کون سے تاریخ کے خفیہ گوشے ہیں جو کسی کو معلوم نہ ہو سکیں؟

ذرائع ابلاغ کے ذریعے پراپیگنڈے کے زور پر نہ تاریخ مسخ ہوتی ہے اور نہ امر واقع تبدیل ہوتا ہے وہ اُمت ہیں جس کے ہر فرد کے لیے ہمارے خدا، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ہمارے دین اور ہمارے ن نے جو نام پسند کیا ہے وہ "مسلم" ہے اور ہمارے نام ہی میں "سلامتی" کا جوہر مضمر ہے، ہے کوئی دوسری ت، ملت یا قوم جو اس باوقار اور امن کے علمبردار نام سے موسوم ہو؟ ـ

امریکہ اور یورپ کی یہ ڈھٹے بازی تو اس اُردو کہاوت کو صحیح ثابت کر رہی ہے کہ "اُلٹا چور کوتوال کو نٹے" "جس ملت کا خدا "رب العالمین"، جس اُمت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم "رحمۃ اللعالمین"، جس قوم کا بطۂ حیات "ہادی للعالمین"، اور جس جماعت کا اپنا نام "المسلمین" ہو غضب خدا کا اُسے استعماری نتیں "جنگجو"، "تاریک خیال اور علم دشمن" کہیں، فیا للعجب ـ

سورج کو لگے دھبہ فطرت کے کرشمے ہیں بت ہم کو کہیں کافر، اللہ کی مرضی ہے

اب ذرا بات خاص اس حوالے سے ہو جائے کہ یورپ اور امریکہ کی طرف سے اس نفسیاتی یلغار کا مقصد ہے کہ وہ ہمارے ہی نت نئے نام گھڑتا اور ہم سے ایسے القاب منسوب کرتا ہے جو اپنی ترکیب میں تو اتنے ے نہیں ہوتے مگر یورپ اور امریکہ کا پراپیگنڈہ انہیں ایٹم بم کی طرح خوفناک اور گالی کی طرح شرمناک بنا دیتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس نفسیاتی ٹیکنک کا واحد مقصد مسلمانوں کو ہراساں کرنا اور ان کی قوتِ مزاحمت کا امتحان ہے کہ آج کل مسلمان کس پانی میں ہیں؟ انہیں اپنی جڑ بنیاد سے اکھاڑنے کا وقت آگیا ہے یا ابھی انتظار

کرنا پڑے گا؟ بدقسمتی سے ہم اس معاملے میں کمزور نفسیات کے لوگ واقع ہوئے ہیں کہ ابھی امریکہ کے منہ سے کے الفاظ پورے طور پر ادا نہیں ہو پاتے کہ ہم پہلے لجانا اور کسمسانا شروع کر دیتے ہیں اور دائیں بائیں سے لغت کتابیں ڈھونڈھ کر معذرت کے الفاظ تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

آج ہم خوش ہو رہے ہیں کہ ہم نے "بنیاد پرست" ہونے کی تردید کر کے خود کو اس بوجھ سے سبکدوش کر ہے مگر اس کا کیا علاج کہ امریکہ اور یورپ شاید ہماری معذرت اور تردید سے پھر بھی مطمئن نہ ہوں اور وہ ہم سے کہ تم کس طرح "بنیاد پرست" نہیں ہو جبکہ تمہارے ملکوں کے نام کے ساتھ اکثر "اسلامی جمہوریہ" کا لفظ آتا ہے تمہارے ہاں "مذہبی امور" کی باقاعدہ وزارتیں ہیں تم ہر سال حج پالیسی بناتے ہو، تمہارے اجلاسوں کا آغاز "تلاوت" سے ہوتا ہے۔ مصافحہ کے وقت تم "السلام علیکم" کہتے ہو، تقریر کا آغاز "بسم اللہ" سے ہو، تمہارے قومی ترانے میں "سایۂ خدائے ذوالجلال" آتا ہے۔ پاکستان کا دارالحکومت "اسلام ہے اور اکثر اسلامی ملکوں کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔

فلہذا "در خوئے بد را بہانہ بسیار" کے مصداق، ہمیں یورپ اور امریکہ سے ہر وقت یہ توقع رکھنی چاہیئے کہ وہ نہیں دوسرے، دوسرا نہیں تیسرے بہانے سے ضرور ہمیں بدنام اور زچ کرتے رہیں گے اور ہم کہاں کہاں اور کس بات کی تردید اور وضاحت کرتے پھریں گے؟۔

قرآن حکیم نے واضح طور پر قرار دیا ہے کہ "تم جب تک اپنا دین نہیں بدل دو گے وہ تم سے راضی نہیں گے" مغرب کو ہماری شکل و صورت اور افرادی و مالی وسائل سے خطرہ نہیں اسے ہمارے نظریۂ حیات سے ہے جو فی الواقع اور اُن کی نظر میں بھی حیات آفریں، طاقتور، زندہ، متحرک اور ہر چیلنج کا سامنا کرنے والا نظریہ ہے۔ اگر تو ہم اپنے نظریۂ حیات سے دستبردار ہونا چاہتے ہیں تو یہ بات بالکل دوسری ہے لیکن اسلام کے کن کردار کی موجودگی میں یورپ اور امریکہ ہم سے کبھی خوش اور مطمئن نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ وہ اپنی ٹیکنالوجی، معاشی دماغی ساز و سامان، فنی صلاحیت اور استحکامِ حکومت جیسے امور میں ہم سے بہت آگے ہیں اگر وہ ہم سے پیچھے ہیں تو نظریاتی قوت ہے جس سے وہ محروم ہیں، حیات و کائنات کے اُن روحانی اصولوں اور ضابطوں سے محروم ہیں جس ان کا پورا نظامِ معاشرت ایک مستقل خلاء کا شکار ہے جسے وہ ایٹم بم اور دولت کے زور سے پُر نہیں کر سکتے۔

اُن کی یہ خواہش طشت از بام ہوا چاہتی ہے کہ کمیونزم خواہ جیسا بُرا بھلا نظام تھا بہرحال اپنی پُشت پر ایک نظریاتی قوت رکھتا تھا اور ان کے لیے ایک چیلنج اور دردِ سر تھا جسے مغرب کی قوت نے پاش پاش کر دیا۔ اب ان کیلئے مسئلہ صرف "اسلام" رہ گیا ہے وہ اسے بھی ختم کرنا چاہتے ہیں تب جا کر امریکہ اور یورپ کو سکون نصیب ہوگا، اس لیے ان کی نفسیاتی یلغار کا ہر راستہ اسلام اور اہلِ اسلام کی طرف جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اہم ترین بات یہ ہے کہ

لے پہل "بنیاد پرستی" کا چرچا کرے گا اور رفتہ رفتہ اس "بنیاد پرستی" کو "دہشت گردی" کا مترادف بنا دے گا، وہ جس
ے کو اپنی غنڈہ گردی کا نشانہ بنانا چاہے گا اُس پر "بنیاد پرست" ہونے کا لیبل چسپاں کردے گا اور اس کا مطلب
دہشت گرد" ملک ہوگا تو اگلے قدم کے طور پر ان اداروں کی وساطت سے رجو خود اس کے محتاج اور دست نگر ہیں)
دادیں منظور کرائے گا قبل ازیں بھی ایسی قراردادیں موجود ہیں کہ "دہشت گرد" ملکوں کے خلاف سخت ترین کارروائی ہوسکتی
، ایسے ملکوں کی اقتصادی ناکہ بندی سے لے کر براہِ راست ان پر فوج کشی کی جائے گی۔

حلیف یورپی ملکوں کے عوام کی رائے اور ردعمل سے بچنے کے لیے پہلے سے نفسیاتی محاذ کھولنا امریکہ کی پالیسی اور حکمتِ
ں کا حصہ ہے تاکہ وہ اپنے حلیف ملکوں اور ان کے عوام کو باور کرا سکے کہ جس کے خلاف فوجی کارروائی ہو رہی ہے
، "دہشت گرد" ملک ہے اور اس کارروائی کا اخلاقی جواز ہے اس مرحلے پر پہنچ کر ہماری سوچ کے دو دھارے
رہمارے لیے انتخاب کے دو راستے ہیں۔

اولاً ہم برابر "بنیاد پرستی" کے الزام کی تردید کرتے رہیں اور یوں "دہشت گردی" کے لیبل سے بچ جائیں۔

ثانیاً ہم ڈنکے کی چوٹ پر خود کو "بنیاد پرست" تسلیم کریں اور اپنا مدعا اور مفہوم واضح کرتے رہیں۔ لہٰذا بظاہر
لا راستہ محفوظ اور محتاط راستہ ہے اور ہمارے بعض دانشور اور تجزیہ نگار اسے منتخب کر رہے ہیں اور دوسرے راستے
رہ جذباتی اور اشتعال انگیز بتلاتے ہیں۔

لیکن ہمارے خیال میں آخر الذکر دوسرا راستہ ہی بقاء اور استقلال کی ضمانت فراہم کرے گا، کیوں کہ امریکہ کی
بت ٹھیک ہوتی تو وہ اور اس کے ذرائع ابلاغ اور زیرِ اثر اور حلیف ممالک کے "دانشور" ہمارے لیے یہ لقب
نتراع نہ کرتے، جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ یہ اصطلاح محض "چلمن" ہے اس کے پیچھے اصل "چہرہ" دیکھنے کی
ورت ہے جو بڑا بھیانک اور مکروہ ہے اور یہ چہرہ ایسے سانپ کا چہرہ ہے جس کے دو منہ اور بے شمار کینچلیاں ہیں، جنہیں
، بدلنے میں ذرا دیر اور تامل نہیں کرتا۔

کشمیر میں اس کا چہرہ اور ہے، الجزائر میں اور! وہ چاہے تو پوری وادی کو خاک و خون میں لوٹانے والے
ارت کو سب سے بڑی جمہوریہ" کی سند دے دے اور چاہے تو الجزائر میں انتخاب جیتنے والے فرنٹ کو "بنیاد
ست" قرار دے دے۔ جس طرح شیر پہ کوئی پابندی نہیں کہ وہ انڈے دے یا بچے! اسی طرح امریکہ پر بھی کوئی
نہیں کہ دیو کو پری، اور پری کو دیو ثابت کردے۔

اگر ہمارا رویہ معذرت خواہانہ رہا تو وہ ہمارا گھیرا اور تنگ کرتا جائے گا تاآنکہ ہمیں اپنی شرائط منوانے
بیور کر دے گا اور ہماری معذرتوں کو اُلٹا ہمارے خلاف استعمال کرے گا۔

(بقیہ صہ ۵۹ پر)

ایگل

ایک عالمگیر قلم

خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ

ہر
جگہ
دستیاب

EAGLE

EAGLE IRIDIUM

آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لیمٹڈ

دلکش
دلنشیں
دلفریب

حسین کے پارچہ جات

گلستان پرنٹ

مرد و زن کے ملبوسات کیلئے موزوں حسین کے پارچہ جات شہر کی ہر بڑی دکان پر دستیاب ہیں۔

حسین کے خوبصورت پارچہ جات نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی نکھارتے ہیں خواہ مرد ہوں یا

FABRICS

خوش پوشی کے پیش رو

حسین ٹیکسٹائل ملز — حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی کا ایک ڈویژن

قومی خدمت ایک عبادت ہے

اور

سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے

سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے

Servis

قدم قدم حسین قدم قدم آرام